14

خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام جماعت احمدیہ کے نام

روز جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے

(فرمودہ 14/اپریل 1944ء)

تشہد، تعوّذ اور سورة فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے انبیاء جب کبھی دنیا میں آتے ہیں اُن کے ساتھ قیامت کا وجود بھی وابستہ ہوتا ہے۔ اِسی لیے جب بھی کوئی نبی دنیا میں آیا اُس نے اپنے بعد ایک قیامت کی بھی خبر دی ہے۔ ایک قیامت تو اس کے ذریعہ یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جماعت کو ترقی دیتا، اُسے دنیا میں غلبہ عطا کرتا اور اُسے نئے سرے سے زندگی بخشتا ہے۔ اور ایک قیامت اس کے ذریعہ یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ گویا ایک طرف اگر اس کے ذریعہ دنیا میں حشر برپا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف ہلاکت کا عذاب دنیا کے ایک حصہ پر وارد ہو جاتا ہے۔ اور قیامت بھی دو ہی طرح ہو گی۔ ایک حشر کے ذریعہ اور ایک ہلاکت کے ذریعہ۔ قیامت اِسی کا نام ہے کہ ایک زمانہ میں سب لوگ مر جائیں گے۔ اور قیامت اسی کا نام ہے کہ ایک زمانہ میں سب لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ پس قیامت کے دو حصے ہیں۔ ایک لوگوں کا مر جانا اور ایک لوگوں کا زندہ ہو جانا۔ جب کبھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی آیا ہے یہ دونوں باتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس کے ذریعہ لوگ مر بھی گئے ہیں اور اس کے ذریعہ قوم زندہ بھی

ہوئی ہے۔ جو لوگ اس کے دشمن تھے وہ بحیثیت قوم تباہ کر دیئے گئے اور جو لوگ اس کے ساتھی تھے وہ بحیثیت قوم ترقی پا گئے۔ اور یوں بھی نبیوں کے رخصت ہونے پر ایک قیامت دنیا میں آجاتی ہے۔ اتنا عظیم الشان انسان جس کا کام خدا تعالیٰ سے خبریں پانا، اپنی جماعت کو تسلی دینا، اس کے لیے دن رات دعائیں کرنا اور ہدایت اور رُشد کے سامان اس کے لیے مہیا کرنا ہو اُس کا دنیا سے اُٹھ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ قیامت آنے والی ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ قیامت کے اس مفہوم کو نہیں سمجھتے اور یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس نبی کے کچھ عرصہ بعد دنیا کے تمام لوگ یکدم مر جائیں گے اور اُن پر قیامت آجائے گی۔ مگر جب کچھ عرصہ گزر جاتا ہے اور لوگ نہیں مرتے تو باوجود اس کے کہ بے وقوفی ان کی اپنی ہوتی ہے کہ قیامت کے انہوں نے وہ معنے سمجھے ہوتے ہیں جو حقیقت میں نہیں ہوتے وہ اس طرف مائل ہونا شروع ہو جاتے ہیں کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ حالانکہ جو معنے انہوں نے سمجھے ہوتے ہیں وہی غلط ہوتے ہیں۔ اور قُربِ قیامت کے معنے یہ ہوتے ہی نہیں کہ وہ قیامت آنے والی ہے جس میں تمام دنیا فنا کر دی جائے گی۔ اس قیامت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ وہ ہمارے ہی علم میں ہے کہ کب آئے گی کسی اَور کو اُس کا علم نہیں۔[1] پس نبی کی بعثت کے ساتھ جو قیامت وابستہ ہوتی ہے وہ وہی تین قسم کی قیامت ہوتی ہے جس کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے یعنی اس کے دشمنوں کی عام تباہی، اُس کے دوستوں کی عام ترقی اور پھر نبی کی وفات کے ساتھ جو تہلکہ واقع ہوتا ہے وہ بھی ایک بہت بڑی قیامت ہوتی ہے۔ آخر انسان کے لیے قیاس کا سامان موجود ہے۔ لوگوں کے باپ مرتے ہیں، لوگوں کی مائیں مرتی ہیں، لوگوں کی بیویاں مرتی ہیں، لوگوں کے بچے بلکہ اکلوتے بچے مرتے ہیں، لوگوں کے بھائی مرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ان کے لیے اپنے ان عزیزوں کی وفات کس قدر صدمے کا موجب ہوتی ہے۔ پھر وہ یہ خیال کر لیں کہ جو شخص ساری دنیا کا باپ تھا، جو ساری دنیا کی ماں تھی، جو ساری دنیا کی پرورش کرنے والا تھا اُس کی موت کتنا عظیم الشان حادثہ نہ ہو گا۔ اس کی موت کے ساتھ ہزاروں نہیں لاکھوں یتیم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ سچی بات تو

یہ ہے کہ اُس کی موت کے ساتھ ساری دنیا یتیم ہو جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو اپنے یُتم کا احساس ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کو اپنے یُتم کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ شخص جس کا کوئی بچہ گم ہو جائے اگر اُس کا وہی گمشدہ بچہ کسی دوسرے وقت اُسی شہر میں آجائے جس میں اُس کا باپ رہتا ہو اور وہ کوئی پیشہ اختیار کرلے مگر اُسے پتہ نہ ہو کہ میرا باپ بھی اِسی شہر میں رہتا ہے تو جس دن اُس کا باپ مرے گا، اُس دن جس طرح اُس کے دوسرے بیٹوں پر قیامت آئے گی اُسی طرح اُس پر بھی قیامت آجائے گی۔ مگر اسے پتہ نہیں ہوگا کہ مجھ پر قیامت آئی ہوئی ہے۔ اِسی طرح انبیاء کی وفات ساری دنیا کے لیے قیامت ہوتی ہے۔ مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ کچھ بچوں نے اپنے باپ کو پہچان لیا ہوتا ہے اور کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو پہچانا نہیں ہوتا۔ مثلاً جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات ویسی ہی قیامت تھی صحابہؓ کے لیے جیسے وہ قیامت تھی یہودیوں کے لیے، جیسے وہ قیامت تھی عیسائیوں کے لیے، جیسے وہ قیامت تھی زرتشتیوں کے لیے، جیسے وہ قیامت تھی جینیوں کے لیے اور بدھوں کے لیے۔ کیونکہ جو نور آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے وہ ساری دنیا کے لیے تھا۔ وہ نور عیسائیوں کے لیے بھی تھا، وہ نور یہودیوں کے لیے بھی تھا، وہ نور زرتشتیوں کے لیے بھی تھا، وہ نور چینیوں کے لیے بھی تھا، وہ نور جاپانیوں کے لیے بھی تھا، وہ نور جزائر کے رہنے والوں کے لیے بھی تھا۔ اور روحانی طور پر آپ ہر قوم کے باپ تھے۔ مگر فرق یہ تھا کہ صحابہؓ نے اپنے باپ کو پہچان لیا تھا لیکن انہوں نے نہ پہچانا تھا۔ پس قیامت تو دونوں پر آئی۔ لیکن اس کا اندازہ احساس کی وجہ سے صرف صحابہؓ کو ہوا، دوسروں کو نہ ہوا۔ ورنہ نقصان سب کو یکساں برداشت کرنا پڑا۔ غرض جب ایک شخص کی موت اُس کے رشتہ داروں میں کہرام مچا دیتی ہے تو انسان خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ وہ شخص جس سے ساری خوبی وابستہ ہو، جس سے ساری نیکی وابستہ ہو، جس سے ساری ہدایت وابستہ ہو اُس کی موت کس قسم کی آفت اور مصیبت نہ ہوگی۔

کیا ہی لطیف پیرایہ میں اِس حقیقت کو ہندوستان کے ایک مشہور شاعر نے بیان کیا ہے۔ غالب کی بیوی کا ایک بھتیجا یا بھانجا تھا جسے اُس نے بچپن سے پالا ہوا تھا۔ جب وہ مرا تو

غالب نے اُس کی وفات پر کہا

مرتے ہوئے کہتے ہیں قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اَور[2]

یعنی میرا وہ عزیز جس کو مَیں نے بچہ کی طرح پالا ہوا تھا جب فوت ہونے لگا تو مرتے ہوئے کہنے لگا لو اب مَیں رخصت ہوتا ہوں اب قیامت کو ہی آپ سے ملاقات ہوگی۔ غالب اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ع

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اَور

کیا اس کے سوا کوئی اَور بھی قیامت آنے والی ہے۔ جب تم مر گئے تو قیامت تو تمہارے مرنے سے ہم پر آگئی۔ تو جس گھر میں کوئی موت ہوتی ہے اُس گھر کے رہنے والے سمجھتے ہیں کہ ان پر قیامت آگئی، پھر اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جس کا سب دنیا کے ساتھ تعلق ہو اور جو تمام عزیزوں اور رشتہ داروں سے زیادہ محبوب اور پیارا ہو تو تم خود ہی سمجھ لو کہ اُس کی موت کیسی عظیم قیامت ہوگی۔

صحابہؓ کو دیکھ لو وہ کتنی زیرک اور سمجھ دار قوم تھی۔ کتنی شرک کے خلاف تعلیم اسے دی گئی تھی اور کس قدر توحید کا سبق اسے بار بار دیا گیا تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر سوائے چند کے سب نے شور مچا دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر گئے ہیں اور وہاں سے زندہ واپس آئیں گے۔ یہ ایک قیامت تھی جو اُن پر آئی۔ اور یہ اتنی بڑی قیامت تھی کہ جو شخص انہیں ساری عمر سمجھاتا رہا کہ مَیں ویسا ہی انسان ہوں جیسے تم ہو، جو ساری عمر انہیں شرک کے خلاف تعلیم دیتا رہا، جو ساری عمر انہیں بتاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبودِ حقیقی سمجھو۔ اُس کی وفات کا انہیں اِتنا شدید صدمہ ہوا کہ ان کے دماغ پھر گئے اور انہوں نے وہی کچھ کہنا شروع کر دیا جس سے اُنہیں روکا گیا تھا۔

پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات دنیا کے لیے ایک قیامت تھی اور بہت بڑی قیامت۔ صحابہؓ کو غلطی لگی اور شدید غلطی لگی۔ مگر وہ آدمی نیک تھے۔

آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اُس مجلس میں گئے جہاں صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ تلوار لیے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو شخص کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تلوار سے اُس کی گردن کاٹ دوں گا۔3 انسان اِس قیامت کا اندازہ حضرت عمرؓ کے کاموں کو دیکھ کر بآسانی لگا سکتا ہے۔ عمر وہ شخص ہے جس کی خوبیوں کو دنیا کی تمام قوموں اور مذاہب نے تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے وہ شدید ترین دشمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عیب لگانا اور آپ پر گند اُچھالنا اپنے لیے فخر کا موجب سمجھتے ہیں وہ بھی جس وقت ابو بکرؓ اور عمرؓ کا ذکر آتا ہے یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ لوگ غیر معمولی وجود تھے۔ ان کی خوبیوں کا اعتراف کرنے سے اسلام کے شدید ترین دشمن یعنی عیسائی اور یہودی بھی نہیں رہ سکے اور انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان کا درجہ غیر معمولی تھا۔ پس وہ غیر معمولی انسان جس کی دشمنوں نے بھی تعریف کی ہے، جس کی ان لوگوں نے بھی تعریف کی ہے جو اس کے آقا کے دشمن تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر شدتِ غم سے اُس کی حالت ایسی ہو گئی جو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والے بچہ کی بھی نہیں ہوتی۔ بچے بھی جب ان کا باپ فوت ہو سمجھ جاتے ہیں کہ ان کا باپ فوت ہو گیا۔ بچے بھی جب ان کی ماں فوت ہو سمجھ جاتے ہیں کہ ان کی ماں فوت ہو گئی۔ مگر عمرؓ جیسا باہمت انسان جس نے ساری دنیا چند آدمیوں کے ساتھ فتح کر لی تھی تلوار لے کر مسجد میں گھومتا پھرتا تھا کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن کاٹ دوں گا۔ بھلا کسی کی گردن کاٹنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس طرح زندہ ہو سکتے تھے۔ مگر انہیں صدمہ اتنا شدید پہنچا تھا کہ وہ یہ سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ وہ سوچتے تھے مگر اپنے آپ کو اِس بات کے ناقابل پاتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی خبر پر یقین لائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں بُہتوں کے دل اُس وقت مانتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو چکے ہیں مگر شدتِ محبت کی وجہ سے وہ اس کا خیال بھی اپنے دل میں لانا اپنے لیے موت اور ہلاکت سمجھتے تھے۔ آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور جہاں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی وہاں گئے۔ آپ کی نعش کو انہوں نے دیکھا اور پھر واپس آگئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو چکے اور اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا۔ یعنی ایک تو یہ موت جو آپ پر آئی اور دوسری یہ موت کہ تم چاہتے ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اِس دنیا میں آئیں اور پھر فوت ہوں۔ یا ممکن ہے آپ کا منشاء یہ ہو کہ تم اِس وقت جو کچھ کہہ رہے ہو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منشاء اور آپ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ وہ موت جو آپ پر وارد ہو چکی وہ اصل موت نہیں۔ وہ تو جسم سے روح نکل کر اپنے آقا اور محبوب کے پاس چلی گئی ہے۔ اصل موت یہ ہے کہ وہ بات جس کو روکنے کے لیے آپ نے ساری عمر خرچ کر دی وہی آپ کی وفات پاتے ہی پھر پیدا ہو جائے اور پھر ساری قوم شرک میں مبتلا ہو جائے۔ یہ موت ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ آپ پر کبھی وارد نہیں کرے گا۔ اِس طرح یہ الفاظ کہہ کر انہوں نے بتا دیا کہ تمہارا یہ کہنا کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو ہم تلوار سے اس کی گردن اڑا دیں گے یہ محض ایک دھوکا اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اور تمہارا یہ جوش عارضی اور وقتی ہے ورنہ تم مومن اور موحّد ہو اور خدا اور رسول کے عاشق ہو۔ جب مَیں تمہیں سچی تعلیم بتاؤں گا تو اُس وقت تم اپنے ان تمام خیالات کو چھوڑ دو گے اور اُسی تعلیم کو اختیار کرو گے جو صحیح اور حقیقی ہے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا اِس کا مطلب یہی تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ جسمانی طور پر بھی وفات پا جائیں اور روحانی طور پر بھی آپ کی قوم پر موت وارد ہو جائے۔ پھر آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں ایمان تھا۔ صرف ایک قیامت تھی جو اُن پر آئی اور انہوں نے ایک ایسی خبر

اپنے کانوں سے سُنی جس کا اندازہ انہوں نے اپنے ذہن میں کبھی نہیں لگایا تھا اور اس قیامت خیز حادثہ نے وقتی طور پر اُن کے حواس کو مختل کر دیا تھا اس لیے جب حضرت ابو بکرؓ کی تقریر انہوں نے سنی تو فوراً ان کی سمجھ میں بات آگئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جب مَیں نے ابو بکرؓ کی بات سنی تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور یا تو مَیں تلوار لے کر اِس نیت اور اِس ارادہ کے ساتھ کھڑا تھا کہ اگر کسی شخص کے مُنہ سے یہ بات نکلی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن اُڑا دوں گا اور یا مجھ پر جب صداقت کُھل گئی تو مَیں کھڑا بھی نہ رہ سکا۔ میرے گُھٹنے کانپ گئے اور مَیں زمین پر گِر گیا۔4

حضرت حسانؓ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درباری شاعر تھے انہوں نے اُس وقت کا کیا ہی عجیب نقشہ کھینچا اور اُس درد کا اظہار کیا ہے جو اُس وقت ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔ جب حقیقت کُھل گئی تو حضرت حسانؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِىْ فَعَمِىَ عَلَيَّ النَّاظِرُ 5

اے محمد رسول اللہ! تم تو میری آنکھوں کی پتلی تھے۔ فَعَمِىَ عَلَيَّ النَّاظِرُ اے محمد رسول اللہ! آج تم نہیں فوت ہوئے مَیں اندھا ہو گیا۔

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ 6

اب یارسول اللہ! کوئی مرے، باپ مرے، ماں مرے، بہن مرے، بھائی مرے، بیوی مرے، بچہ مرے، رشتہ دار مریں، دوست مرے کوئی پروا نہیں۔

فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

مَیں تو تیری ہی موت سے ڈرتا تھا۔ یہ ہر شخص کے دل سے نکلا ہوا شعر تھا۔ کہا حسانؓ نے تھا مگر ہر صحابی کے دل کی کیفیت یہی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ آج ہم اندھے ہو گئے۔ آج ہماری عزیز ترین چیز ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ چنانچہ تاریخوں میں آتا ہے اُس دن تمام بازاروں میں ہر صحابی یہی شعر پڑھتا ہوا سنائی دیتا تھا۔ جدھر سے گزرو اِس شعر کی آواز

سنائی دیتی تھی۔ صحابہؓ بازاروں میں سے گزرتے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھے۔ کہ

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت صحابہؓ کے دل میں جو کچھ تھی اُس کا تو ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ مجھے بعض دفعہ ہنسی آتی ہے کہ ہماری جماعت کے بعض مخلص نوجوان مجھے چِٹھیاں لکھتے ہیں کہ ہماری درخواست ہے کہ جب ہم مر جائیں تو ہمارا جنازہ آپ پڑھیں۔ مجھے اُس وقت خیال آتا ہے کہ دیکھو ان کی عمر اِس وقت 30، 35 سال کی ہے اور مَیں ان سے بڑی عمر کا ہوں مگر یہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ مَیں ان کا جنازہ پڑھوں۔ گویا وہ اپنے دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سارے مرتے چلے جائیں گے مگر یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موت کا خیال بھی ان کے دلوں میں نہیں آ سکتا تھا۔ ان میں سے ہر شخص خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت یہ سمجھتا تھا کہ ہم ان کے ہاتھوں میں ہی مریں گے اور یہ خود ہمارا جنازہ پڑھائیں گے۔ مگر جب وہ زندہ رہ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو گئے تو ایک قیامت ان پر آ گئی۔ پس یہ بھی ایک قیامت تھی اور بہت بڑی قیامت۔ اگر لوگ سمجھ لیتے کہ قیامت یہی نہیں کہ دنیا کے تمام لوگ اکٹھے مر جائیں بلکہ کسی اَور چیز کا نام بھی قیامت ہے تو وہ قیامت کا یہ دن آنے سے پیشتر زیادہ سے زیادہ روحانی فیوض اور برکات حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے۔ آخر ہر انسان نے ایک دن مرنا ہے۔ پھر اگر کسی دن تمام لوگ اکٹھے مر جائیں تو یہ کونسی بڑی آفت ہے۔ جب سب لوگ مرتے چلے آئے اور مرتے چلے جائیں گے تو اگر کسی دن اکٹھے سب لوگ مر گئے تو اسے ہرگز کوئی بڑی آفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آفت یہی ہے کہ وہ تو زندہ رہیں مگر ان کو روحانی زندگی بخشنے والا چلا جائے۔ وہ جسے عرفِ عام میں قیامت کہا جاتا ہے اسے بھی ہم مانتے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس خدا نے یہ دنیا پیدا کی ہے وہ اسے ایک دن ختم بھی کرے گا۔ لیکن وہ قیامت کوئی صدمہ والی چیز نہیں۔ صدمہ تب ہو جب کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جو نرالی ہو۔ مگر جب

ہر انسان مرتا چلا آیا اور مرتا چلا جائے گا تو اگر کسی دن تمام انسان اکٹھے مر جائیں گے تو اس میں کونسی بڑی بات ہو جائے گی۔ یہ قیامت تو میرے نزدیک ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی ایک شخص بھی اُس وقت بچ رہتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ اس کے لیے بڑے صدمہ کی بات ہوگی کہ اَور تو سب لوگ مر جائیں گے اور وہ زندہ رہے گا۔ مگر جب سارے ہی مر جائیں گے تو اس میں دکھ کی کونسی بات ہے۔ بلکہ مَیں سمجھتا ہوں اس میں بہت بڑا سُکھ ہے۔ اب خاوند مرتے ہیں تو ان کی عورتیں بیوہ رہ جاتی ہیں۔ بیویاں مرتی ہیں تو ان کے خاوند رنڈوے رہ جاتے ہیں، بھائی مرتا ہے تو دوسرے بھائی صدمہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا ایک بھائی جاتا رہا۔ بچے مرتے ہیں تو ماں باپ کو صدمہ ہوتا ہے۔ ماں باپ مرتے ہیں تو بچے یتیم رہ جاتے ہیں۔ غرض ہزاروں دکھ اور مصیبتیں وارد ہو جاتی ہیں۔ مگر اس وقت کیسا آرام ہوگا کہ سب لوگ یکدم مر جائیں گے اور صدمہ اٹھانے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پس اصل قیامت یہی ہے کہ مرنے والے مر جاتے ہیں مگر ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے جو لوگ رہ جاتے ہیں ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں رہتا، کوئی اُن کا مونس اور غم خوار نہیں رہتا۔ ماں باپ مرتے ہیں تو بچے رہ جاتے ہیں جو روٹیوں کے محتاج ہوتے ہیں اور دربدر دھکّے کھاتے پھرتے ہیں۔ خاوند مر جاتے ہیں تو ان کی عورتیں ایسی حالت میں رہ جاتی ہیں کہ ان کی دلداری کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ خاوند رہ جاتے ہیں اور ان کی محبت کرنے والی بیویاں اُن سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ ماں باپ رہ جاتے ہیں مگر ان کے دلوں کی ٹھنڈک اور ان کے ساتھ کھیلنے والے بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ بھائی رہ جاتا ہے مگر اس کا دوسرا بھائی جو اس کے لیے بازو کی حیثیت رکھتا ہے فوت ہو جاتا اور اس کا بازو کٹ جاتا ہے۔ دوست رہ جاتے ہیں مگر ایسی حالت میں جبکہ ان کا مونس و غمگسار دوست فوت ہو چکا ہوتا ہے۔ پس یہ ایک قیامت ہے جو لوگوں پر آتی ہے۔ مگر وہ بھی کیا قیامت ہے جب سب لوگ اکٹھے مر جائیں گے اس کے آنے پر بھلا کسی کو کیا غم ہو سکتا ہے۔

تو درحقیقت بڑی قیامت وہ ہوتی ہے جب خدا کا نبی کسی قوم میں سے گزر جاتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو یہ ایک بہت بڑی قیامت تھی جو دنیا پر آئی۔ پھر درجہ بدرجہ امت محمدیہ میں اَور لوگوں کے مرنے پر بھی مختلف اوقات میں قیامت

آتی رہی۔ اگر مسلمان یہ سمجھتے کہ قرآن کریم میں جس قیامت کا ذکر آتا ہے اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی مراد ہو سکتی ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے پہلے پہلے اس کے بداثرات سے بچنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے بعد میں بہت کوششیں کیں کہ وہ اس کے بد اثرات سے محفوظ رہیں لیکن انہیں پورا فائدہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ قیامت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی۔ پھر اگر مسلمان سمجھتے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت بھی مسلمانوں کے لیے ایک قیامت ہے تو شاید وہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے سامان مہیا نہ ہونے دیتے اور اپنی تمام کوشش اور اپنی تمام جدوجہد ان سامانوں کے خلاف صَرف کر دیتے جو حضرت عمرؓ کی شہادت کا موجب ہوئے۔ پھر اگر صحابہؓ سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی ایک قیامت ہے جو درحقیقت حضرت عمرؓ کی شہادت کے نتیجہ میں واقع ہوئی تو وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا موقع نہ آنے دیتے۔ اگر مسلمان سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کی موت کے بعد مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پیدا ہو جائے گا جو کبھی مٹ نہیں سکے گا تو مَیں سمجھتا ہوں وہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس غرض کے لیے بہا دیتے کہ یہ حادثہ رونما نہ ہو۔ پھر حضرت علیؓ کے وقت اگر مسلمان یہ سمجھتے کہ اگر ہم علیؓ کو ماریں گے تو ہم علیؓ کو نہیں بلکہ اسلام کو ماریں گے۔ اگر علیؓ دنیا سے اٹھ گیا تو وہی گندی بادشاہت دنیا میں قائم ہو جائے گی جو بنی نوع انسان کے لیے مہلک ہے۔ اسی طرح مسلمان اگر سمجھتے کہ ہم علیؓ کو نہیں مار رہے بلکہ ہم اپنی اولادوں کو ہلاک کر رہے ہیں، ہم اپنی عورتوں کی عصمت دری کے سامان مہیا کر رہے ہیں، ہم ظالم بادشاہوں کو موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی جائدادوں سے بے دخل کر دیں، ہم مالداروں کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ آئیں اور ہمارے گھروں کو لُوٹ لے جائیں، ہم اسلامی حکومت کو اجاڑنے اور اسے تباہ وبرباد کرنے کے سامان جمع کر رہے ہیں، ہم دنیا میں ایک یزید پیدا کر رہے ہیں تو مَیں سمجھتا ہوں ایک ایک مسلمان حضرت علیؓ کے ارد گرد کٹ کر مر جاتا مگر وہ قاتل کا ہاتھ آپ تک نہ پہنچنے دیتا۔ مگر وہ اس خیال میں ہی بیٹھے رہے کہ قیامت تو وہی ہے جو یکدم سب پر آئے گی اور نظامِ عالَم کو تہہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔

کسی انسان کی موت خواہ وہ کتنا بڑا ہو قیامت نہیں ہو سکتی۔ اگر غالب نے جو بات اپنے جنون کی حالت میں سمجھ لی تھی وہ مسلمان بھی سمجھ لیتے کہ ؏

کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اَور

تو وہ کبھی ذلت اور رسوائی کا شکار نہ ہوتے۔ مگر انہوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا۔ پھر جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں پر قیامتیں ٹوٹیں اور بڑی بڑی آئیں۔ مگر چونکہ انہوں نے قیامت کی اَور تعبیر کی ہوئی تھی اس لیے ان کی اولادوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قیامت کوئی چیز نہیں۔ اگر قیامت نے آنا ہوتا تو کیا اب تک آ نہ چکی ہوتی۔ اس طرح وہ بے ایمان اور بے دین ہو گئے۔ کیونکہ ان کے باپ دادا نے قیامت کی اَور تعبیر کی تھی اور خدا اور اس کے رسول نے اَور تعبیر کی تھی۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ 7 مَیں اور قیامت آپس میں اِس طرح ملے ہوئے ہیں جس طرح میری دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ مگر قیامت ہے کہ ابھی تک آنے میں نہیں آتی حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ مَیں اور قیامت آپس میں بالکل ملے ہوئے ہیں۔ مَیں مروں گا تو میرے مرنے کے ساتھ ہی تمہاری قیامت شروع ہو جائے گی۔ پس جو کچھ مجھ سے حاصل کرنا ہے میری زندگی میں ہی حاصل کر لو۔ ورنہ جس دن مَیں مرا اُسی دن تم پر قیامت آجائے گی اور پھر تم ان برکات کو حاصل نہیں کر سکو گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگ خواہش کریں گے کہ کاش! اِنہیں پھر دنیا میں لَوٹا دیا جائے تا کہ وہ نیک اعمال بجالائیں مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا كَلَّا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قیامت آنے کے بعد کسی کو واپس لَوٹایا نہیں جاسکتا۔ 8 اسی طرح آپؐ نے فرمایا جب مَیں مروں گا تو تمہارے دلوں میں جوش پیدا ہو گا کہ کاش! مَیں پھر اس دنیا میں واپس آجاؤں۔ کاش! میں پھر حکم دوں اور تم اپنی جانیں میرے حکم پر قربان کر دو، مَیں پھر تمہیں مالی قربانی کی تحریک کروں اور تم میرے حکم پر اپنے مالوں کو قربان کر دو۔ اُس وقت تمہارے دلوں میں جوش پیدا ہو گا، تمہارے دلوں میں حسرت پیدا ہو گی کہ کاش! ہم فلاں قربانی میں حصہ لے سکتے۔ کاش! ہم فلاں حکم کی

تعمیل کر سکتے۔ مگر اُس وقت ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ تم اگر فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہی ہے کہ اس قیامت کے آنے سے پہلے پہلے فائدہ حاصل کر لو۔

غرض آپ نے بتا دیا کہ میری موت تمہارے لیے قیامت ہو گی اور میری موت کے آنے کے ساتھ ہی تم پر قیامت آ جائے گی۔ مگر سننے والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس بات کو نہ سمجھا اور وہ اُسی قیامت کی اہمیت سمجھتے رہے جب سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت یکدم مر جائیں گے۔ حالانکہ وہ قیامت کوئی تکلیف دہ چیز نہیں بلکہ ایک راحت اور آرام کی چیز ہے۔ کیونکہ اب جو فکر ہوتا ہے کہ فلاں مر گیا تو کیا ہو گا یہ فکر اُس وقت نہیں ہو گا۔ اب مرنے والا کہتا ہے کہ جب مَیں مر گیا تو پچھلوں کا کیا حال ہو گا اور پچھلے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اب ہمارا کیا بنے گا۔ یہ دکھ اور تکلیف جو انفرادی اموات سے لوگوں کو ہوتی ہے اسے اگر قیامت کہا جائے تو بالکل ٹھیک اور درست ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے جو قیامت دنیا پر آئی یا حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت سے لوگوں پر قیامت آئی اسے جس قدر بڑھا کر سمجھ لو درست ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ قیامت جسے لوگ عرفِ عام میں قیامت کہتے ہیں اور جبکہ سب لوگ مر جائیں گے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر یہ کہو کہ اس قیامت کا ایک تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اُس وقت کچھ لوگ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے تو سوال یہ ہے کہ اب جو لوگ مرتے ہیں کیا اُن میں سے کچھ لوگ دوزخ میں نہیں جاتے؟ پھر اِس میں اور اُس میں فرق کیا ہوا؟ اب بھی لوگ مرتے ہیں اور اُس دن بھی لوگ مر جائیں گے۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ اب ایک ایک کر کے لوگ مرتے ہیں اور اُس دن سب لوگ اکٹھے مر جائیں گے۔ پس یہ قیامت ہر گز کوئی ایسی چیز نہیں جس سے ڈر اور خوف محسوس کیا جائے۔ اصل قیامت جس کے لیے لوگوں کو تیار رہنا چاہیے وہ وہی قیامت ہے جب نبی فوت ہو جاتا ہے یا جب کسی نبی کی جماعت اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ترقی کرے اور اُس کے دشمن تباہ و برباد ہو جائیں۔ وہ وقت ایک قیامت کا وقت ہوتا ہے اور وہی ایک قیامت ہے جس کے لیے تیاری اور بہت بڑی تیاری کی ضرورت ہے۔ اگر نبی کی جماعت دنیا میں ترقی کر جائے، اس کے دشمنوں کی بربادی کا وقت قریب آ پہنچے لیکن جماعت

لوگوں کو سنبھالنے کی قوت اپنے اندر نہ رکھتی ہو تو پھر خود ہی سمجھ لو کہ اس صورت میں کتنی بڑی قیامت دنیا پر آجاتی ہے۔ مَیں بتا چکا ہوں کہ قیامت کے ایک معنے جماعت کی ترقی اور نبی کے دشمنوں کی تباہی کے بھی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر دشمنوں پر تباہی آجائے، اگر ان کی ہلاکت اور بربادی کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریب آپہنچے اور جماعت غالب آجائے لیکن لوگوں کو سنبھالنے والا کوئی نہ ہو تو یہ جماعت کے لیے کتنی بڑی ذلت اور شرمندگی کی بات ہو گی کہ خدا نے دشمن کی عمارت کو تہہ وبالا کر دیا، خدا نے اس کے قلعوں کو مسمار کر دیا، خدا نے اُس کے بلند و بالا محلات کو تہس نہس کر دیا اور خدا نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا کہ آؤ اور اب اس متاع کو سنبھال لو، آؤ اور اب دشمن کی جائیدادوں پر قبضہ کر لو مگر جماعت کے لوگ ہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم ان جائیدادوں کو کس طرح سنبھالیں ہم میں تو ان کے سنبھالنے کی طاقت ہی نہیں۔ یہ وہ قیامت ہے جس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے، یہ وہ قیامت ہے جس کے آنے سے پہلے پہلے ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کا کام ہے کہ وہ اس کے لیے ہمہ تن تیار ہو جائے۔ ورنہ دوسری قیامت کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں۔ جو تیاری انسان اپنی موت کے لیے کرتا ہے اس سے ایک پشّہ[9] کے پَر کے برابر بھی زیادہ تیاری کی ضرورت اُس قیامت کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ میرے نزدیک اس کے لیے اس سے بھی کچھ کم تیاری کی ہی ضرورت ہے۔ کیونکہ مرتے وقت تو انسان کو یہ بھی خیال آجاتا ہے کہ میری اس قدر جائیداد ہے اسے کون لے جائے گا۔ مگر قیامت کو یہ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے اور سب لوگ اکٹھے مر جائیں گے۔

پس اصل قیامت وہ نہیں جسے عرفِ عام میں قیامت کہا جاتا ہے۔ بلکہ اصل قیامت یہ ہے کہ جب نبی دُنیا سے گزر جائے یا نبی کی پیشگوئیوں کے مطابق دشمن کو تباہ کر دیا جائے تو جماعت اُس وقت حیران و پریشان کھڑی ہو اور وہ کہے کہ اب کیا کیا جائے۔ اب ان آنے والے لوگوں کو سنبھالنے والا ہم میں کوئی نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو بڑی بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ مگر قابل آدمیوں کی کمی کی وجہ سے بہت سے انتظامات اور حکومت کے شعبے اُن لوگوں کے سپرد کرنے پڑے جو اسلام کی

تعلیم سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ میں ہزاروں لوگ قابل تھے، ہزاروں لوگ اسلام کی تعلیم کو سمجھتے تھے، ہزاروں لوگ قرآن کریم کو جانتے تھے اور وہ سب کے سب مختلف کاموں پر مقرر کر دیئے گئے۔ مگر پھر بھی بعض جگہیں رہ گئیں اور وہ ایسے لوگوں کو دینی پڑیں جو اس کام کے اہل نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کو سخت ضعف پہنچا اور مسلمان تباہ ہوگئے۔ پس یہ ایک قیامت تھی اور بہت بڑی قیامت مگر افسوس کہ لوگوں نے اس کے لیے پوری تیاری نہ کی۔

اب ہمارا زمانہ آیا ہے۔ اس زمانہ میں خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جماعت کی ترقی کے متعلق بڑے بڑے وعدے کیے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنی سنت کے مطابق ایک دن اپنے ان وعدوں کو ضرور پورا کرے گا۔ وہ دن آنے والا ہے جب جماعت کے لوگ کہہ رہے ہوں گے کہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ اور دشمن یہ کہہ رہے ہوں گے کہ کہاں گئے تمہاری ترقی اور کامیابی کے وعدے۔ مگر آسمان پر خدا کے فرشتے دنیا کو بدلنے کے لیے تیار کھڑے ہوں گے۔ وہ رات کو یہ کہہ کر سوئیں گے کہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ اور جب صبح اٹھیں گے تو کفر کی دیواریں ٹوٹی ہوئی ہوں گی اور اس کی بنیادیں فرشتوں کے ہاتھوں سے گرائی جاچکی ہوں گی۔ شام کو کافر کہیں گے کہ کہاں گئے وہ وعدے جو تمہاری ترقیات کے متعلق کیے گئے تھے اور جب صبح ہوگی تو اُن کی لاشیں کُتّے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ لیکن ہمیں اُس دن کے آنے کی کیا خوشی ہو سکتی ہے جب اِن حالات کو سنبھالنے کی ہم اپنے اندر قابلیت نہیں پاتے۔ جب ہماری تیاری ابھی بہت پیچھے ہے اور جب ہم میں سے بہتوں نے ابھی اپنے مقام کی اہمیت کو بھی پورے طور پر نہیں سمجھا۔

مَیں نے دیکھا ہے بعض دفعہ گورنمنٹ جب کوئی نیا عہدہ نکالتی ہے اور کہتی ہے کہ ولایت کا پاس شدہ اس عہدہ پر مقرر کیا جائے گا تو کئی ماں باپ گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں کہ ابھی تو ہمارے بیٹے کے آنے میں چھ ماہ باقی ہیں اور عہدہ اب نکل آیا ہے۔ ہمارا بیٹا اگر ولایت سے جلدی واپس نہ آیا تو یہ عہدہ کوئی اَور لے جائے گا۔ یہی ہماری حالت ہے۔ ابھی ہم نے وہ امتحان پاس ہی نہیں کیا جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے نئے نظام کی تکمیل کا کام

ہمارے سپرد کیا جانے والا ہے۔ ابھی ہماری جماعت میں بہت بڑی جہالت اور بہت بڑی نادانی پائی جاتی ہے۔ قادیان کے لوگ تو پھر بھی دین کی باتیں اکثر سنتے رہتے ہیں لیکن باہر کے لوگوں میں سے بہت سے تو بدّو کے بدّو ہیں۔ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ اسلام اُن سے کیا تقاضا کرتا ہے، احمدیت ان سے کیا چاہتی ہے، خدا اور اس کا رسول انہیں کس راستہ پر لے جانا چاہتے ہیں۔ صرف چند موٹے موٹے مسائل ان کو معلوم ہیں اِس سے زیادہ ان کو کچھ پتہ نہیں۔ اسلامی مسائل کی باریکیاں، احکامِ الٰہی کی حکمتیں، قرآن کریم کی تعلیم کی خوبیاں، اسلام کی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی تعلیمیں، احمدیت اور اسلام کا روشن مستقبل، حکومت اور نظام سے تعلق رکھنے والی اسلامی تعلیم کی تفصیلات اور اس کی خوبیاں، عبادات اور روحانیت میں ترقی کرنے کے اصول، بندوں اور خدا کے آپس میں تعلقات، دنیا کی پیدائش کی حکمتیں یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو ابھی اُن کو معلوم نہیں اور جن کے سیکھنے اور معلوم کرنے کی تڑپ بھی بعض لوگوں کے اندر نظر نہیں آتی۔ فرض کرو کل ہی وہ دِن آجاتا ہے جب دشمن کو تباہ کر دیا جاتا ہے، جب کفر کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک ہی ہاتھ مٹا کر رکھ دیتا ہے، جب خدا اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا ہے کہ جاؤ اور ان لوگوں کی حکومت کو سنبھال لو۔ تو ہم کہاں سنبھال سکیں گے۔ اور جب ہم اس کو سنبھالنے کی اپنے اندر طاقت نہیں پائیں گے تو یہ لازمی بات ہے کہ اُسے کوئی اَور قوم لے جائے گی۔

انگریز جب افریقہ میں گئے تو افریقن قبائل چونکہ چھوٹے چھوٹے تھے اور زمینیں ان کے پاس بڑی کثرت کے ساتھ تھیں جن کی وہ کاشت بھی نہیں کر سکتے تھے اس لیے انگریز اُن سے کہتے کہ جتنی زمین میں تم آسانی سے ہل چلا سکتے ہو اُتنی زمین اپنے پاس رکھ لو باقی زمین تمہیں اپنے پاس رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تمہارے لیے بیکار ہے۔ چنانچہ تھوڑی زمین ان لوگوں نے لے لی اور باقی سب زمین پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ اب کینیا کالونی میں بعض انگریزوں کے پاس ایک ایک لاکھ ایکڑ زمین موجود ہے حالانکہ اس زمین کے مالک افریقہ کے حبشی قبائل تھے۔ مگر چونکہ وہ ان زمینوں کو سنبھالنے کی قابلیت اپنے اندر نہیں رکھتے تھے اس لیے انگریزوں نے ان سے کہہ دیا کہ جتنی زمین تم سنبھال سکتے ہو وہ سنبھال لو

اور باقی ہمیں دے دو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے دو ایکڑ زمین رکھ لی، کسی نے چار ایکڑ زمین رکھ لی اور باقی سب زمین پر انگریز قابض ہوگئے۔ اگر پنجابی زمیندار ہوتے تب بھی وہ تیس تیس چالیس چالیس ایکڑ زمین رکھ لیتے مگر انہوں نے صرف دو دو چار چار ایکڑ زمین اپنے پاس رکھی۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ ہمیں اتنی زمین کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم اپنی زمین کو سنبھالنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ وہ سب زمین انگریزوں نے لے لی۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے ظلم نہیں کیا بلکہ ان کی ضرورت سے جو زائد زمین تھی صرف وہ ہم نے اپنے قبضہ میں لی ہے۔ تو جیسے افریقہ کے حبشی قبائل سے ہوا کہ مال تو اُن کے پاس تھا مگر چونکہ وہ اُس کو سنبھالنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے اس لیے اُس پر دوسروں نے قبضہ کر لیا۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ایک دن ایسا لائے گا جب دنیا کی حکومتیں اور طاقتیں ہمارے قبضہ میں آجائیں گی۔ مگر جب اُن حکومتوں کو سنبھالنے کی ہمارے اندر قابلیت نہیں ہو گی، جب تعلیم کے لیے ہمارے پاس مدرّس نہیں ہوں گے، جب وعظ و نصیحت کے لیے ہمارے پاس علماء نہیں ہوں گے، جب روحانیت کا درس دینے کے لیے ہمارے پاس عارف نہیں ہوں گے، جب تبلیغ و تربیت کے لیے ہمارے پاس مبلغ نہیں ہوں گے، جب زہد و اتقاء کی روح قائم کرنے کے لیے ہمارے پاس سالک اور عابد نہیں ہوں گے تو ہم اُس وقت کیا کر سکیں گے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ چونکہ اس جائیداد کو ہم سنبھال نہیں سکیں گے، اس لیے وہ اسلام کے لیے فتح کیے ہوئے دل، وہ اسلام کے لیے فتح کی ہوئی جانیں، وہ اسلام کے لیے فتح کیے ہوئے قبائل، وہ اسلام کے لیے فتح کی ہوئی قومیں کچھ دن تو ہمارا انتظار کریں گی مگر پھر ان کے دلوں پر زنگ لگنا شروع ہو جائے گا۔ پھر خدا کی جائیداد دوبارہ شیطان کے قبضہ میں جانی شروع ہو جائے گی۔

مجھے اس چیز کا دیر سے فکر تھا اور متواتر اس مضمون کو مَیں نے اپنے خطبات میں بھی بیان کیا ہے مگر کل مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بات معلوم ہوئی اُس نے تو میری کمر ہی توڑ دی ہے۔ مَیں نے کشفی حالت میں یہ نظارہ دیکھا کہ گویا آسمان کے فرشتوں کی آوازیں سن رہا ہوں۔ مجھے بہت دفعہ کشفی حالت میں ملأ اعلیٰ کی آواز سننے کا موقع ملا ہے۔ کل بھی ایسا ہی ہوا۔ اور مَیں نے آسمان کے فرشتوں کو دیکھا کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر پڑھ رہے ہیں مگر کچھ تغیر کے ساتھ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعر ہے ؎

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا**10**

مگر مَیں خواب میں فرشتوں کے پڑھنے کی جو آواز سنتا ہوں اُس میں پہلے دو لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ یعنی فرشتے بجائے یہ کہنے کہ ؎

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

یہ کہتے ہیں کہ ؎

سوچو جو شخص آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ تبدیلی اِس زمانہ کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر کہا اُس وقت ہمارے سلسلہ کا ابتدائی زمانہ تھا اور لوگوں کو اس رنگ میں اپیل کرنا مناسب تھا۔ مگر اب وہ زمانہ گزر چکا ہے اور اب سلسلہ کی ترقی اِس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لوگوں کو سوچنا چاہیے اور اس بارہ میں انہیں غورو فکر سے کام لینا چاہیے کہ جس شخص نے آنا تھا وہ تو آچکا۔ چنانچہ مَیں نے سنا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں ؎

سوچو جو شخص آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

فرشتے اس شعر کو بہت بلند آواز سے اور بڑی رسیلی اور سریلی آواز میں پڑھ رہے ہیں اور مَیں سن رہا ہوں۔ اس کے بعد مجھ پر ایک الہام نازل ہوا جس نے میرے ہوش اُڑا دیئے۔

وہ الہام یہ تھا جو خود ایک مصرع کی شکل میں ہے کہ ؏

روز جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے

بڑے زور سے یہ الہام مجھ پر نازل ہوا اور بار بار اس کو دہرایا گیا۔ اس الہام کے اَور معنی بھی ہوسکتے ہیں مگر مَیں نے اُس وقت جو اس الہام کے معنٰے سمجھے وہ یہ ہیں کہ وہ تغیراتِ عظیمہ جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا اور وہ اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے ایام جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی بالکل قریب آ پہنچے ہیں۔ روزِ جزا اب سر پر کھڑا ہے۔ قدرت کا زبردست ہاتھ اُس دن کو اب قریب تر لا رہا ہے۔ مگر رہ بعید ہے۔ جماعت نے اس آنے والے دن کے لیے ابھی وہ تیاری نہیں کی جو اِسے کرنی چاہیے تھی۔ اور ابھی اس نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اس عظیم الشان یومِ جزا کے انعامات کا اسے مستحق بنانے والا ہو۔ اس کے لیے ابھی بہت بڑا اور لمبا راستہ پڑا ہے جسے اِسے طے کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

روزِ جزا قریب ہے

یعنی وہ جو ہمارا کام تھا ہم نے اسے پورا کر دیا اور ہم نے اُس دن کو تمہارے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جو تمہاری کامیابی اور تمہاری فتح اور تمہارے غلبہ کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس الہام کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو مخاطب کرتا اور اسے فرماتا ہے کہ اے احمدی جماعت! جو ہمارا حصہ تھا ہم نے اُسے پورا کر دیا، جتنے سامان یومِ جزا کو قریب تر لانے کے لیے ضروری تھے وہ ہم نے سب مہیا کر دیئے اور اسلام اور احمدیت کی فتح کے سامان ہم نے جمع کر لیے۔ پس اب قریب ترین زمانہ میں اِس فتح کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے، قریب ترین زمانہ میں اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے راستے دنیا میں کھل جائیں گے۔ مگر رہ بعید ہے۔ وہ راستہ جو ابھی تم نے طے کرنا ہے اور جس پر چل کر تم نے اس روز جزا سے فائدہ اٹھانا ہے وہ ابھی بہت بعید ہے۔ تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے ابھی اس راستہ پر چلنا بھی شروع نہیں کیا اور کئی ایسے ہیں جو اس راستے پر چل تو پڑے ہیں مگر انہوں نے سفر ابھی بہت کم طے کیا ہے۔ گویا ہم نے تو اپنا حصہ پورا کر دیا مگر تم نے اپنے حصہ کو پورا نہیں کیا۔ اب دیکھو! یہ ایسی ہی بات

ہے جیسے دو شخص آپس میں ٹھیکہ کریں اور ایک شخص دوسرے سے سمجھوتہ کرے کہ تم امرتسر سے دس میل کے فاصلہ پر اتنے لاکھ من سونا پہنچا دو۔ وہاں تک سونا پہنچانا تمہارا کام ہے۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہوگا اور مَیں اُس سونے کو اُٹھا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔ اب اگر دوسرا شخص اس معاہدہ کے مطابق ٹھیک مقررہ تاریخ کو امرتسر سے دس میل کے فاصلے پر سونا لاکر رکھ دے مگر یہ شخص ابھی قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ہی ہو تو جانتے ہو اِس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ چور آئیں گے اور اُس سونے کو اٹھا کر لے جائیں گے، ڈاکو آئیں گے اور اس سونے پر قبضہ کرلیں گے اور جب یہ شخص وہاں سونا لینے کے لیے پہنچے گا تو اُس جگہ کو بالکل خالی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی اِس الہام میں اِسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم نے تو ابھی اس راستے کو طے ہی نہیں کیا جس پر چل کر ان انعامات کے تم مستحق بن سکتے ہو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اُس دن کو جو تمہاری فتح اور کامیابی کا دن ہے تمہارے قریب لاچکے ہیں۔

روزِ جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے

میری طرف سے جو کچھ ظاہر ہونا تھا اُس کی تیاریاں آسمان پر مکمل ہو چکی ہیں مگر تم نے جو کچھ کرنا تھا اُس کے لیے ابھی کئی منزلیں طے کرنی باقی ہیں۔

مجھے جب یہ الہام ہوا تو مَیں نے اُس وقت سوچا کہ گو مَیں جماعت کو جلدی جلدی آگے کی طرف اپنا قدم بڑھانے کی تحریکات کررہا ہوں۔ جس پر بعض لوگ ابھی سے گھبرا اُٹھے ہیں کہ کتنی جلدی جلدی نئی سے نئی تحریکیں کی جارہی ہیں۔ کبھی وقف جائیداد کی تحریک کی جاتی ہے، کبھی وقف زندگی کی تحریک کی جاتی ہے، کبھی کالج کی تعمیر کے لیے چندہ کی تحریک کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی ناکافی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے تمہارا رہ بعید ہے۔ یعنی ابھی تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ سفر ابھی بہت باقی ہے اور تمہارا قدم خطرناک طور پر سُست ہے۔ حالانکہ مَیں نے جو کام کرنا تھا وہ کرلیا، میرا ٹھیکہ پورا ہو گیا اور جو چیز میں نے تم کو دینی تھی وہ دے دی۔ مگر تم ابھی اپنے کام کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔

اِس مفہوم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اِس الہام کا ایک اَور امر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

گو نزولِ الہام کے وقت مَیں نے اِس کے وہی معنے سمجھے تھے جو مَیں نے ابھی بیان کیے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس الہام کا ایک اَور مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی ذات میں کوئی خوشکن نہیں۔ یعنی اس الہام کا ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر شخص جو تم میں سے اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لیے کوشش کر رہا ہے اُس کی یہ کوشش اِتنی تھوڑی اور اِس قدر کم ہے کہ اُس کی اِس کوشش اور جدوجہد کے مقابلہ میں اس کی زندگی کے جس قدر ایّام ہیں ان میں اِن کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ گویا تم میں سے ہر شخص جو کوشش آج اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے لیے کر رہا ہے اگر مرتے دم تک وہ اِسی رنگ میں کوشش اور جدوجہد کرتا رہے اور اپنا قدم تیز نہ کرے تو یہ کوششیں اِس قدر کم ہیں کہ یہ خیال کرنا کہ ان کوششوں کے نتیجہ میں تم اسلام کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے یہ ناممکن ہے۔ اگر تمہاری کوشش اور جدوجہد کی یہی رفتار رہی تو تم اپنی زندگی میں یومِ جزا کو نہیں دیکھ سکوگے۔ یہ معنے اگر لیے جائیں تو یہ بھی کوئی خوش کُن معنے نہیں۔ مگر جو معنے اُس وقت مَیں نے سمجھے وہ یہی تھے کہ

روزِ جزا قریب ہے

کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے متعلق جو وعدے فرمائے ہیں اُن کے پورا ہونے کا وقت آگیا، آسمان پر فرشتوں کی فوجیں اُس دن کو لانے کے لیے تیار کھڑی ہیں۔ مگر جو کوشش تم کر رہے ہو وہ بہت ہی حقیر اور بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہے۔ جب ہم نے اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا، جب آسمان سے فرشتوں کی فوجیں زمین میں تغیر پیدا کرنے کے لیے نازل ہوگئیں، جب کفر کی بربادی کا وقت آپہنچا، جب اسلام کے غلبہ کی گھڑی قریب آگئی تو اُس وقت تم اگر پوری طرح تیار نہیں ہوگے، تم نے اپنے اندر کامل تغیر پیدا نہیں کیا ہوگا، تم نے اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ نہیں کی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس دن سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جاؤ گے اور اسلام کی دائمی ترقی میں روک بن جاؤ گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس پانی کو سنبھالا نہ جائے وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لوگوں کو

تباہ کر دیتا ہے۔ جس دودھ کو محفوظ نہ رکھا جائے وہ پھٹ جاتا ہے۔ وہی پانی فائدہ پہنچاتا ہے جس کو سنبھالا جائے اور وہی دودھ انسان کو طاقت بخشتا ہے جس کو پھٹنے سے محفوظ رکھا جائے۔ پھٹا ہوا دودھ کس کام آسکتا ہے۔ گِرا ہوا سالن کون استعمال کرتا ہے۔ کُتّے کے آگے پڑی ہوئی روٹی کون کھا سکتا ہے۔ اِسی طرح اگر ہم نے اس دودھ کو محفوظ نہ رکھا جو خدا نے ہمارے لیے نازل کیا ہے، اگر ہم نے اس کھانے کی حفاظت نہ کی جو خدا نے ہمیں دیا ہے، اگر ہم نے اس پانی کو نہ سنبھالا جو خدا نے آسمان سے اتارا ہے تو یہ پانی اور یہ دودھ اور یہ کھانا ہمارے لیے ایک طعنہ کا موجب بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں چیز تو ملی مگر ہم نے اُس کی قدر نہ کی۔

پس مَیں آج پھر خدا تعالیٰ کے اِس پیغام کو جماعت تک پہنچاتا ہوں۔ پہلے میری طرف سے ہی گھبراہٹ تھی اور مَیں جماعت کو بار بار کہتا تھا کہ جلد جلد بڑھو، جلد جلد اپنا قدم آگے کی طرف بڑھاؤ۔ مگر اب خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ گھبرا دینے والا پیغام آ گیا ہے۔ ؎

روز جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے

جزا کا دن بہت قریب ہے مگر تمہاری راہ بہت بعید ہے۔ اَب چاہے اس کے یہ معنے سمجھ لو کہ ہر شخص کی موت کا دن اُس سے زیادہ قریب ہے جتنا قریب اُس کے اعمال کے نتیجہ میں اسلام کی فتح آسکتی ہے۔ اگر وہ اِسی چال پر چلتے رہے تو اُن کا یہ خیال کرنا کہ اسلام کی فتح کا دن اُن کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا، ناممکن ہے۔ رفتار بہت سُست ہے، کوششیں بہت محدود ہیں مگر زندگی کے ایام تھوڑے ہیں۔ اور اگر چاہو تو اِس الہام کے یہ معنے سمجھ لو کہ مَیں نے تم سے اسلام کی ترقی اور احمدیت کے غلبہ کے متعلق جس قدر وعدے کیے تھے اُن تمام وعدوں کو پورا کرنے کے سامان مَیں مہیا کر چکا ہوں وہ وعدے اب عنقریب ظہور پذیر ہونے والے ہیں مگر اے مومنو! اگر قریب ترین عرصہ میں تم نے اس آنے والے دن کے لیے کوئی تیاری نہ کی تو تم ان نعمتوں کو سنبھال نہیں سکو گے۔ نعمتیں تو آئیں گی مگر بجائے اس کے کہ تم ان پر قابض رہو وہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ وہ زمین پر بکھر جائیں گی، وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گی۔

پھر خدا ایک نیا نظام قائم کرے گا اور اُس نئے نظام کے ذریعہ اپنی ان نعمتوں کو دوبارہ واپس لانے کے سامان مہیا کرے گا۔ کیونکہ جو نعمتیں ایک دفعہ کسی قوم کے ہاتھ سے نکل جائیں وہی قوم اُن نعمتوں کو دوبارہ کبھی حاصل نہیں کر سکتی۔ دنیا کی تاریخ میں یہ کہیں بھی نظر نہیں آتا کہ ایک قوم کے ہاتھ سے جب کوئی نعمت نکل گئی ہو تو پھر وہی قوم اس نعمت کو سمیٹ سکی ہو۔ اُس وقت بحیثیت قوم اُن نعمتوں کو سمیٹا نہیں جاسکتا۔ ہاں! افراد ایک ایک دانہ چُنتے اور استعمال کرتے رہتے ہیں۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد بھی امت محمدیہ میں بعض بڑے بڑے بزرگ ہوئے۔ مثلاً حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ، حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ، حضرت سید احمد صاحب سرہندیؒ، حضرت ولی اللہ شاہ صاحب دہلویؒ، حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ اور اسی طرح اَور ہزاروں اولیاء امتِ محمدیہ میں ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی روحانی نعماء سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ مگر ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے مرغا زمین پر سے ایک ایک دانہ چُن کر کھاتا ہے۔ انہوں نے بھی نعمتوں کے ایک ایک دانے زمین سے چُنے اور استعمال کیے۔ مگر سونے سے بھری ہوئی کانیں، موتیوں سے بھرے ہوئے سمندر اور لعل وجواہرات اور ہیروں کے انبار اُن کے زمانہ میں نہ رہے۔ انہوں نے جس قدر انعامات حاصل کیے انفرادی انعامات تھے قومی انعامات نہیں تھے۔ لیکن انبیاء کے زمانہ میں تمام قوم کو انعامات میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ پس اگر یہ معنے اِس الہام کے ہیں تو یہ بھی تکلیف دہ ہیں۔ دنیا نے بڑا انتظار کیا ایک ایسی ہدایت کا جو اُسے نور سے بھر دے، دنیا نے بڑا انتظار کیا اُس جنگ کا جو شیطان کو ہمیشہ کے لیے آخری شکست دے دے۔ لیکن اگر اِس جنگ میں شیطان کو فرشتے شکست بھی دے دیں اور مومن آگے نہ بڑھیں تو شیطان پھر واپس لَوٹ آئے گا اور پھر اسلام کے قلعہ پر قبضہ کر لے گا۔ اُسی قلعہ میں دشمن واپس نہیں آیا کرتا جس کے متعلق وہ جانتا ہو کہ اس میں غنیم کی فوجیں جمع ہیں۔ لیکن اگر فرشتوں نے شیطان کا قلعہ سر کر لیا اور مومن آگے نہ بڑھے تو ہزاروں سال کی پیشگوئیاں اور وہ ایک لمبی لڑائی جو شیطان سے لڑی گئی تھی رائیگاں چلی جائے گی۔

مَیں جانتا ہوں کہ پیشگوئیاں کُلّی طور پر یوں ہی نہیں چلی جاتیں مگر جب کوشش اور

جدوجہد کا پہلو کمزور ہو تو اس کے نتائج ضرور تلخ ہوتے ہیں۔ پس مَیں جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ دیکھو! رستہ دور کا ہے، وقت تھوڑا ہے، تمہاری کوششیں نامکمل ہیں اور فتح کا دن نزدیک آرہا ہے۔ تم جلد جلد اپنے قدم بڑھاؤ اور ہر میدان میں اسلام کے جانباز سپاہی بننے کی کوشش کرو۔ اگر تم میں سے ہر شخص اسلام کی فتح کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیتا ہے، اگر تم میں سے ہر شخص اپنے جسم کا ذرّہ ذرّہ اسلام کی فتح کے لیے اس طرح اُڑا دیتا ہے جس طرح روئی دھنکنے والا روئی کے ذرات کو ہوا میں اُڑاتا ہے تو تمہاری اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ تمہارا فرض ہے کہ تم باہر نکل جاؤ اور جو لوگ ہماری جماعت میں سے جاہل ہیں اُن کو مجبور کرو کہ وہ اسلام کی تعلیم کو سیکھیں اور قرآن کریم کے احکام پر عمل کریں۔ اسی طرح جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اسلام کی خدمت کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے پاس ہزاروں ایسے لوگ ہوں جو دین کو پوری طرح سیکھے ہوئے ہوں تا کہ جب بھی کوئی ملک اسلام کے لیے فتح ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں نیک تغیر پیدا کرے تو ہمارے پاس اُس ملک کو سنبھالنے والی جماعت بھی موجود ہو اور ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ ملک تو اسلام کے لیے فتح ہو گیا مگر جماعت اس کو سنبھالنے کے لیے تیار نظر نہیں آتی۔ ہمارے پاس وہ آدمی موجود ہونے چاہییں جن کو اُس ملک میں پھیلایا جاسکے، ہمارے پاس وہ لٹریچر موجود ہونا چاہیے جو اُس ملک میں شائع کیا جاسکے، ہمارے پاس وہ کتابیں موجود ہونی چاہییں جو اُس ملک کے کونے کونے میں پھیلائی جاسکیں، ہمارے پاس روپیہ موجود ہونا چاہیے جس سے مبلغین کے سفر خرچ اور دیگر اخراجات کا انتظام کیا جاسکے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اسلام کی جائیدادیں ہماری اپنی جائیدادوں سے لاکھوں بلکہ کروڑوں گُنا زیادہ ہوں اور ہماری مالی قربانیاں اسلام کے فنڈ کو اس قدر مضبوط کر دیں کہ جب کسی ملک میں اسلامی لشکر بھجوانے کی ضرورت محسوس ہو، جب سپاہیوں کے لیے روحانی گولہ بارود کی ضرورت ہو، جب لوگوں کی پیاس بجھانے کے لیے لٹریچر فراہم کرنا ضروری ہو تو ہمارے پاس اِس قدر سامان موجود ہو کہ ہم بغیر کسی قسم کے فکر کے اور بغیر اِس کے کہ ہمارے سپاہیوں کو کسی قسم کی تشویش ہو اسلام کی ان تمام ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ

ہماری جماعت کے نوجوانوں کو انگریزی یا دنیوی تعلیم ایسے رنگ میں دلائی جائے کہ بجائے اس کے کہ وہ تعلیم انہیں اسلام اور ایمان سے بے بہرہ کرنے والی ہو وہ اُن کے دلوں میں اسلام کی صداقت پر زیادہ سے زیادہ یقین اور وثوق پیدا کرنے والی ہو۔ بجائے اس کے کہ آئندہ سائنس اسلام پر کفر کو غالب قرار دے سکے، سائنس کفر کو کھا جانے والی اور اسلام کو غالب و برتر ثابت کرنے والی ہو اور اس کی توپوں کا منہ اسلام کے قلعہ کی بجائے کفر کی طرف ہو اور اس کے گولے کفر کی دیواروں کو گرا رہے ہوں۔

اسی طرح ہمیں اپنی تمدنی اصلاح کی طرف ابھی بہت بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ ابھی تک خاوندوں کے بیویوں سے اچھے تعلقات نہیں، بیویوں کے خاوندوں سے اچھے تعلقات نہیں، اولاد اپنے ماں باپ سے اچھے تعلقات نہیں رکھتی اور ماں باپ اولاد کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے۔ دوستوں کے دوستوں سے اور ہمسایوں کے ہمسایوں سے اچھے تعلقات نہیں، دکاندار گاہکوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے، گاہک تاجروں کا خیال نہیں رکھتے، قرض لینے والے قرض واپس کرنے کا خیال نہیں کرتے اور قرض دینے والے مقروض کی مجبوریوں کا خیال نہیں رکھتے، استاد شاگردوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے اور شاگرد اُستادوں کا احترام نہیں کرتے۔ غرض ہمیں تمدنی اصلاح کی ابھی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جب تک ہماری تمدنی اصلاح نہیں ہو گی اُس وقت تک دل صاف نہیں ہوں گے اور جب تک دل صاف نہیں ہوں گے ایمان پیدا نہیں ہو گا اور جب تک ایمان پیدا نہیں ہو گا اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل نہیں ہو گی۔ پس بہت بڑا کام ہے جو ہم نے سر انجام دینا ہے۔ بلکہ اتنے بڑے کام ہم نے کرنے ہیں کہ اگر ہم ان کو گننے لگیں تو شمار میں ہی نہ لا سکیں۔ یہ کام جب ہم نے کر لیے تو یَوْمُ الْجَزَاءِ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجائے گا۔ جب کفر کو تباہ کر دیا جائے گا اور اسلام کو غالب کر دیا جائے گا۔

پہلے لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ انہیں جب قیامت کی خبر دی گئی تو انہوں نے اُس کی حقیقت کو نہ سمجھا اور قیامت آنے سے پہلے اس کے لیے کوئی تیاری نہ کی۔ اب ہماری جماعت کے لیے خوف کا مقام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض نادان اب بھی قیامت کی حقیقت کو نہ سمجھیں اور

اس کی تیاری سے غافل رہیں۔ مَیں جس قیامت کی خبر دے رہا ہوں وہ ہمیشہ دنیا میں آتی رہی اور آتی رہے گی۔ مگر لوگوں نے نہ سمجھا اور قیامت دیکھنے کے باوجود انہوں نے یہی کہا کہ قیامت ابھی تک نہیں آئی۔ کاش! ہم لوگ اِس زمانہ میں ہی قیامت کی حقیقت کو سمجھیں اور اس کے بد نتائج سے بچنے اور اس کے نیک نتائج سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں کہ اِسی میں اسلام کی ترقی اور اسی میں احمدیت کا غلبہ ہے"۔☆(الفضل 27/اپریل،1944ء)

☆ بعض دوستوں نے خطبہ کے بعد مجھے لکھا ہے کہ اس الہام کا اس الہام کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ

دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ[11]

یعنی گو جماعت کا راہ دُور ہے مگر اس اِلہام کے ماتحت تم جماعت کو لے کر اسی دور کی راہ کو جلد طے کر لوگے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوگے۔ خدا کرے یہ معنی درست ہوں مگر ہمارا کام یہ ہے کہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھیں اور قربانیوں کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ یہ بہت اچھا ہے اس سے کہ ایسی امیدوں پر تکیہ رکھیں جو بعد میں پوری نہ ہوں اور ناکامیوں کے قریب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اس بُرے دن سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

1 : اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ (حٰم السجدہ:48)

2 : دیوان غالب مطبوعہ آئینہ ادب لاہور صفحہ 89 میں شعر اس طرح سے ہے

" جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور"

3 : روح البیان فی تفسیر القرآن لشیخ اسماعیل حقی جلد 1 صفحہ 372 زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ...... المطبعة النفیسة العثمانیة 1306ھ

4 : سیرت ابن ہشام، جلد نمبر 4 صفحہ 334۔ مطبع حجازی قاہرہ

5 : دیوان حسان بن ثابت۔ الجزء الاول نمبر 308 صفحہ 478۔ المکتبة العلمیة لاہور

6 : دیوان حسان بن ثابت۔ الجزء الاول نمبر 308 صفحہ 478۔ المکتبة العلمیة لاہور

7 : بخاری کِتَاب الرِّقَاقِ بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

8 : حَتّٰىٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّيٓ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المومنون:100،101)

9 : پِشّہ: مچھر

10: ضمیمہ تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 79

11: تذکرہ صفحہ 165۔ ایڈیشن چہارم